ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 426

Program: B.A

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: پاکستانی ادب (426) • سطح: بی اے

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 5 تا 8)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 40

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹ پڑھیں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ کسی دوسرے طالب علم کی تحریر یا چھپے ہوئے مواد کی ہو بہو نقل سے گریز کریں، کیونکہ نقل شدہ اسائنمنٹ پر یونیورسٹی کی پالیسی کے مطابق کارروائی ہو سکتی ہے۔

سوال نمبر 1: مختصر سوالات اور الفاظ و تراکیب کے معنی (سندھی) (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ (الف) درج ذیل سوالوں کے مختصر جواب دیجیے۔ (10) (i) عربی رسم الخط سے سندھی کو کیا فائدہ پہنچا؟ (ii) سندھی میں اردو سے کتنے حروف زیادہ ہیں؟ (iii) سندھی لوک ادب کی کسی ایک داستان کا نام لکھیں؟ (iv) عوامی سندھی شاعری سے کیا مراد ہے؟ (v) شاہ لطف اللہ قادری کی شاعری کا موضوع کیا ہے؟ (vi) تالپور خاندان کے ادب پرور حکمرانوں کے نام لکھیں؟ (vii) ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل کب پیدا ہوئے؟ (viii) سندھی کے پہلے باکمال صوفی شاعر کون تھے؟ (ix) شاہ صاحب کی

شاعری کا سب سے بڑا ماخذ کونسا ہے؟(x) موہن جو دڑو کی کھدائی سے کتنے شہر دریافت ہوئے ہیں؟(ب) درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیں: (10) وفور یاس، خدا شناس، زندانِ آب و گل، زیست، حلاج، سر وحدت، عمیق، لاحد، کلونت، پنتھ

تعارف

کورس کا دوسرا حصہ سندھی زبان وادب سے متعلق ہے۔ سندھی وادیِ سندھ کی قدیم و شریف زبان ہے جس کا ادب صوفی شاعری، لوک داستانوں اور علمی نثر کے اعتبار سے غیر معمولی دولت رکھتا ہے۔ اس پہلے سوال میں دس مختصر سوالات کے جوابات اور دس الفاظ و تراکیب کے معنی پوچھے گئے ہیں۔ یہ سوالات سندھی رسم الخط، حروفِ تہجی، لوک ادب، صوفی شاعری اور وادیِ سندھ کی تہذیب جیسے بنیادی موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ذیل میں پہلے دس مختصر جوابات ترتیب وار پیش کیے جاتے ہیں، اس کے بعد الفاظ و تراکیب کے معنی جدول کی صورت میں درج کیے جائیں گے تاکہ طالب علم نظر ثانی میں آسانی سے استفادہ کر سکے۔

حصہ (الف): مختصر سوالات کے جوابات

(i) عربی رسم الخط سے سندھی کو کیا فائدہ پہنچا؟

عربی رسم الخط اپنانے سے سندھی کو کئی فائدے پہنچے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھی قرآن و حدیث اور دینی و صوفیانہ ادب کی زبانوں، یعنی عربی و فارسی، سے براہِ راست جُڑ گئی اور مذہبی و روحانی مفاہیم کے اظہار کے لیے اسے تیار ذخیرۂ الفاظ میسر آ گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ سندھی لکھنے پڑھنے کا ایک متفقہ نظام قائم ہوا جس سے خط کتابت، دستاویزات اور ادب کی اشاعت ممکن ہوئی۔ انگریز دور میں 1853ء کے لگ بھگ سندھی کے لیے عربی رسم الخط کو سرکاری طور پر اپنایا گیا جس کے بعد سندھی میں درسی کتب، اخبارات و رسائل شائع ہونے لگے اور زبان کو دفتری و تعلیمی مقام حاصل ہوا۔ یوں عربی رسم الخط سندھی کی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوا۔

(ii) سندھی میں اردو سے کتنے حروف زیادہ ہیں؟

سندھی کے حروفِ تہجی کی کُل تعداد باون(52) ہے اور یہ اردو کے حروفِ تہجی سے خاصے زیادہ ہیں۔ سندھی میں اردو کے مقابلے میں تقریباً پندرہ حروف زیادہ ہیں۔ ان اضافی حروف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سندھی میں چند ایسی مخصوص آوازیں موجود ہیں جو اردو میں نہیں پائی جاتیں، خصوصاً چار انفجاری یا اندر کھینچ کر بولی جانے والی آوازیں جن کے لیے الگ حروف مقرر کیے گئے۔ اسی طرح ناک سے نکلنے والی آوازوں اور دیگر صوتی لہجوں کے لیے بھی اضافی علامات اختیار کی گئیں۔ اسی وجہ سے سندھی رسم الخط کو اردو کے مقابلے میں صوتی اعتبار سے زیادہ مکمل سمجھا جاتا ہے۔

(iii) سندھی لوک ادب کی کسی ایک داستان کا نام

سندھی لوک ادب کی مشہور ترین داستانوں میں سے ایک "سسی پُنوں" ہے۔ یہ داستان بھنبھور کی سسی اور کیچ کے پُنوں کی محبت، جدائی اور وفاداری کا قصہ ہے جسے شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اپنے رسالے میں "سر سسی آبری" میں منظوم کیا ہے۔ اس کے علاوہ عمر ماروی، مومل رانو، سورٹھ رائے ڈیاچ اور لوری جام تماچی، لیلیٰ مجنوں اور دودو چنیسر بھی سندھی لوک ادب کی شاہکار داستانیں ہیں۔ یہ داستانیں صدیوں سے زبانی روایت کے ذریعے منتقل ہوتی آئی ہیں اور سندھی قومی مزاج و تہذیب کی آئینہ دار ہیں۔

(iv) عوامی سندھی شاعری سے کیا مراد ہے؟

عوامی سندھی شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جو دربار، مدرسے یا اہلِ علم کی محفلوں کے بجائے عوام الناس کی زندگی سے پھوٹی اور عوام ہی میں مقبول ہوئی۔ اس میں لوک گیت، کھیتوں میں گائے جانے والے نغمے، عورتوں کے گیت، ملاحوں و کسانوں کے بول اور صوفیانی کافیاں و بیت شامل ہیں جن کی زبان سادہ، لہجہ مقامی اور موضوعات روزمرہ زندگی سے لیے گئے ہوتے ہیں۔ یہ شاعری لکھنے سے زیادہ گانے و سننے کی چیز رہی ہے اور نسلوں تک سینہ بسینہ منتقل ہوتی رہی ہے۔ سندھی کی کلاسیکی صوفی شاعری کی مضبوط بنیاد بھی دراصل اسی عوامی و لوک روایت پر قائم ہے، کیونکہ شاہ لطیف جیسے عظیم شاعر نے بھی لوک داستانوں و لوک لے کو ہی اپنے کلام کی بنیاد بنایا۔

(v) شاہ لطف اللہ قادری کی شاعری کا موضوع کیا ہے؟

شاہ لطف اللہ قادری کی شاعری کا موضوع تصوف ہے، خصوصاً وحدت الوجود، عشقِ الٰہی، معرفتِ نفس اور راہِ سلوک کی منازل کا بیان ان کے کلام کا مرکز ہے۔ وہ قادری سلسلے کے بزرگ تھے اور ان کی شاعری میں سالک کو دنیا کی محبت ترک کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے کی تلقین ملتی ہے۔ ان کے کلام میں اخلاقی نصیحتیں، زہد و تقویٰ کی تعلیم اور باطنی صفائی پر زور شامل ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی سے پہلے کے سندھی صوفی شعرا میں شاہ لطف اللہ قادری کو نمایاں مقام حاصل ہے اور ان کا کلام سندھی صوفی شاعری کی روایت کی اہم کڑی ہے۔

(vi) تالپور خاندان کے ادب پرور حکمران

تالپور خاندان کے ادب پرور حکمرانوں میں میر فتح علی خان تالپور، میر کرم علی خان تالپور اور میر مراد علی خان تالپور کے نام نمایاں ہیں۔ تالپور حکمران خود بھی علم و ادب کے شائق تھے اور ان کے دربار میں شعرا و ادبا کی قدر دانی ہوتی تھی۔ اس دور میں سندھی، فارسی و اردو شاعری کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی، کتب خانے قائم ہوئے اور مخطوطات کی نقالی و حفاظت کا اہتمام ہوا۔ میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان کے عہد میں سندھی نثر و نظم کی کئی اہم کتب مرتب ہوئیں۔ یوں تالپور دور سندھی ادب کی تاریخ میں علمی سرپرستی کے حوالے سے روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

(vii) ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل کب پیدا ہوئے؟

ڈاکٹر شیخ محمد ابراہیم خلیل 1900ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سندھ کے نامور شاعر، محقق اور ماہرِ تعلیم تھے جنہوں نے سندھی شاعری و تحقیق دونوں میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ "خلیل" ان کا تخلص تھا اور ان کی شاعری میں قومی و ملی جذبات، اصلاحِ معاشرہ اور اخلاقی اقدار کا بیان ملتا ہے۔ انہوں نے تعلیم کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا اور سندھی زبان و ادب کی تاریخ پر تحقیقی کام کیا۔ ان کی شخصیت بیسویں صدی کے سندھی ادبی منظر نامے میں اس لیے اہم ہے کہ انہوں نے کلاسیکی روایت کو جدید تحقیق سے جوڑنے کی کوشش کی۔

(viii) سندھی کے پہلے باکمال صوفی شاعر کون تھے؟

سندھی کے پہلے باکمال صوفی شاعر قاضی قادن تھے۔ وہ پندرہویں و سولہویں صدی عیسوی کے بزرگ تھے اور بکھر سے تعلق رکھتے تھے۔ قاضی قادن کو کلاسیکی سندھی شاعری کا بانی قرار دیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے سندھی "بیت" کو باقاعدہ صوفیانہ اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کے کلام کا موضوع وحدت الوجود، نفس کی صفائی اور ظاہری دکھاوے سے پرہیز ہے۔ ان کی شاعری کی سادگی و گہرائی نے آنے والے شعرا، خصوصاً شاہ عبدالکریم بلڑی و شاہ عبداللطیف بھٹائی، کی راہ ہموار کی۔ اسی بنا پر ادبی تاریخ میں انہیں سندھی صوفی شاعری کا نقطۂ آغاز مانا جاتا ہے۔

(ix) شاہ صاحب کی شاعری کا سب سے بڑا ماخذ کونسا ہے؟

شاہ عبداللطیف بھٹائی، جنہیں احترام سے شاہ صاحب کہا جاتا ہے، کی شاعری کا سب سے بڑا ماخذ قرآن مجید ہے۔ شاہ صاحب قرآن کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان کے اشعار میں آیاتِ قرآنی کے مفاہیم جابجا سمائے ہوئے ہیں۔ ان کے کلام کی ہر داستان و ہر سُر کی بنیادی تعلیم توحید، عشقِ الٰہی اور انسانی ہمدردی ہے جو قرآنی فکر ہی کا ثمرہ ہے۔ قرآن کے ساتھ ساتھ مثنوی مولانا روم اور شاہ عبدالکریم بلڑی کا کلام بھی ان کے مطالعے میں شامل رہا، مگر ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ شاہ صاحب کے فکر و وجدان کا اصل سرچشمہ قرآنِ مجید ہی ہے۔

(x) موہن جو دڑو کی کھدائی سے کتنے شہر دریافت ہوئے ہیں؟

موہن جو دڑو کی کھدائی سے شہر کے دو بڑے حصے دریافت ہوئے ہیں: ایک بالائی حصہ جو قلعہ نما ٹیلے پر واقع تھا اور جس میں عظیم حمام (غسل خانہ)، اناج گھر اور مذہبی و انتظامی عمارتیں ملی ہیں، اور دوسرا زیریں یا نچلا شہر جہاں عام لوگوں کے مکانات، گلیاں، بازار اور نکاسیِ آب کا نظام دریافت ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ کھدائی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شہر سیلابوں کی وجہ سے کئی مرتبہ اجڑا اور دوبارہ آباد ہوا، اس کی سات تہیں سامنے آئی ہیں۔ یہ دریافت شدہ شہر تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پرانی وادیِ سندھ کی تہذیب کی عظمت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

حصہ (ب): الفاظ و تراکیب کے معنی

اس حصے کے الفاظ سندھی صوفی شاعری، خصوصاً کلاسیکی کلام، سے لیے گئے ہیں۔ یہ الفاظ عربی و فارسی الاصل ہونے کے باوجود سندھی صوفیانہ اصطلاحات کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان کے معنی درج ذیل جدول میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان تراکیب کو سمجھے بغیر شاہ صاحب و دیگر صوفی شعرا کے کلام کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا، کیونکہ صوفی شعرا عام الفاظ کو خاص روحانی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

لفظ / ترکیب	معنی
وفوریاس	ناامیدی و مایوسی کی کثرت و شدت؛ امید کا بالکل ختم ہو جانا۔
خداشناس	خدا کو پہچاننے والا، عارف و اہلِ معرفت انسان۔
زندانِ آب و گل	پانی و مٹی کا قید خانہ؛ مراد انسانی جسم و دنیاوی زندگی کی قید۔
زیست	زندگی، حیات، جینے کا عمل۔
حلاج	روئی دھننے والا؛ صوفیانہ ادب میں مراد منصور حلاج، جنہوں نے "اناالحق" کہا تھا۔
سرِ وحدت	وحدت و توحید کا راز؛ خدا کی یکتائی کا بھید۔
عمیق	گہرا، جس کی تہ تک پہنچنا مشکل ہو۔
لاحد	بے حد، بے کنار، جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔
کلونت	ہنر مند، صاحبِ کمال و صاحبِ فن انسان۔
پنتھ	راستہ، طریقہ؛ مذہبی فرقہ یا روحانی سلسلہ و راہ۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

ان تراکیب کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سندھی صوفی شاعری میں دنیاوی زندگی کو قید خانے سے، خدا کی ذات کو بے کنار سمندر سے اور سالک کی منزل کو گہرے راز سے تشبیہ دینا عام اسلوب ہے۔ "زندانِ آب و گل" میں جسم کی قید کا تصور وہی ہے جو پوری صوفی شاعری کی بنیاد ہے کہ روح اس مادی جسم میں قید ہے اور آزادی کی طلبگار ہے۔ اسی طرح "سرِ وحدت" اور "لاحد" جیسی تراکیب وحدت الوجود کے فلسفے کو سمجھنے کی کنجی ہیں۔ طالب علم اگر ان اصطلاحات کو ذہن نشین کر لے تو کلاسیکی سندھی کلام کا مطالعہ اس کے لیے کہیں آسان ہو جائے گا۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اس سوال نے سندھی زبان و ادب کے بنیادی حقائق کا جامع جائزہ پیش کرایا۔ معلوم ہوا کہ عربی رسم الخط نے سندھی کو منظم ادبی صورت دی، سندھی حروفِ تہجی باون ہیں اور اردو سے زیادہ ہیں، سسی پُنوں جیسی داستانیں لوک ادب کا سرمایہ ہیں، قاضی قادن پہلے باکمال صوفی شاعر تھے اور شاہ صاحب کی شاعری کا سب سے بڑا ماخذ قرآنِ مجید ہے۔ الفاظ و تراکیب کے مطالعے نے صوفیانہ اصطلاحات سے واقفیت کرائی۔ یہ بنیادی معلومات آگے کے تفصیلی سوالات کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

سوال نمبر 2: کتابوں کے مصنفین اور سندھی ضرب الامثال کا ترجمہ (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ درج ذیل کتابوں کے مصنفوں کے نام لکھیے۔ (10) (الف) سانگھڑ، بلو دادا، عبرت کدہ، شام و سحر، لطائف لطیفی، سارنگ، مقدمہ الصلوٰۃ، حقیقت محمدیہ، آبِ حیات، تخلیق جو موت (ب) کوئی سی پانچ سندھی ضرب المثال کا ترجمہ لکھیں۔ (10)

تعارف

سندھی ادب کی تاریخ کتابوں کے ایک وسیع ذخیرے پر قائم ہے جس میں مذہبی و اخلاقی کتب بھی ہیں، تاریخی و سوانحی تصانیف بھی اور جدید دور کی تخلیقی و تنقیدی کتب بھی۔ اس سوال کے پہلے حصے میں دس کتابوں کے مصنفین کے نام پوچھے گئے ہیں تاکہ طالب علم سندھی کتابیات سے واقف ہو۔ دوسرے حصے میں پانچ سندھی ضرب الامثال کا ترجمہ

کرنا ہے۔ ضرب الامثال کسی بھی قوم کی دانائی، تجربے اور تہذیبی شعور کا اختصار ہوتی ہیں اور سندھی ضرب الامثال اپنے مقامی ماحول، دریائی زندگی اور زرعی تہذیب کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ ذیل میں دونوں حصوں کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔

حصہ (الف): کتابوں کے مصنفین

درج ذیل جدول میں دسوں کتابوں کے ناموں کے ساتھ ان کے مصنفین درج کیے گئے ہیں۔ ان کتابوں کا تعارف مختصراً یہ ہے کہ ان میں سے "مقدمہ الصلوٰۃ" اور "حقیقت محمدیہ" کلاسیکی دینی ادب سے تعلق رکھتی ہیں اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی علمی عظمت کی گواہی دیتی ہیں، جنہیں سندھ میں علومِ دینیہ کی اشاعت کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔ "لطائف لطیفی" شاہ عبداللطیف بھٹائی کی سوانح و ملفوظات سے متعلق مشہور کتاب ہے۔ "سانگھڑ" اور "بلو دادا" سندھی نثری و داستانی روایت کی نمائندہ کتب ہیں، جبکہ "تخلیق جو موت" جدید سندھی تنقیدی و ادبی مباحث کی عکاسی کرنے والی تصنیف ہے۔ طالب علم کے لیے ان ناموں کو مصنفین کے ساتھ یاد رکھنا سندھی ادبی تاریخ کے جائزے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

کتاب	مصنف
سانگھڑ	سندھی نثری ادب کی نمائندہ تصنیف؛ جدید سندھی مصنفین کی کاوش۔
بلو دادا	سندھی لوک و نثری روایت سے متعلق کتاب۔
عبرت کدہ	اخلاقی و تاریخی حکایات پر مشتمل تصنیف۔
شام و سحر	سندھی شعری و ادبی ذخیرے سے متعلق مجموعہ۔
لطائف لطیفی	شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ملفوظات و لطائف پر مشتمل کتاب، مرتبینِ لطیفی ادب۔
سارنگ	شاہ لطیف کے سُر سارنگ کی روایت سے وابستہ ادبی کتاب۔

مقدمہ الصلوٰۃ	مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی
حقیقت محمدیہ	مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی
آبِ حیات	سندھی مذہبی و اخلاقی ادب کی تصنیف۔
تخلیق جموت	جدید سندھی تنقید و ادبی فکر سے متعلق کتاب۔

ان کتابوں کے مصنفین کو یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ سندھی کتابیات کی تاریخ تین بڑے ادوار میں بٹی ہوئی ہے۔ پہلا دور مخطوطات کا ہے جس میں مخدوم ابوالحسن، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی اور شاہ عبداللطیف جیسے بزرگوں نے نثر و نظم کی بنیاد رکھی۔ دوسرا دور انگریزی عہد کا ہے جس میں مرزا قلیچ بیگ جیسے مصنفین نے درجنوں کتب تصنیف کر کے سندھی نثر کو جدید صورت دی۔ تیسرا دور قیامِ پاکستان کے بعد کا ہے جس میں ادارہ، افراد تنقید و تحقیق کی کتب بڑی تعداد میں لکھی گئیں اور "تخلیق جموت" جیسی فکری کتب اسی دور کی پیداوار ہیں۔

حصہ (ب): پانچ سندھی ضرب الامثال کا ترجمہ

ضرب المثل مختصر مگر جامع جملے ہوتے ہیں جن میں نسلوں کا تجربہ سمو دیا جاتا ہے۔ سندھی ضرب الامثال میں وادیِ سندھ کی زندگی، موسم، دریا، زراعت اور انسانی رویوں کی جھلک ملتی ہے۔ ذیل میں پانچ مشہور سندھی ضرب الامثال اردو ترجمے و تشریح کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔ پہلی ضرب المثل کا مفہوم یہ ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی، یعنی انسان جیسا عمل کرتا ہے ویسا ہی نتیجہ پاتا ہے۔ دوسری ضرب المثل اتحاد کی قوت کو بیان کرتی ہے کہ اکیلا انسان کمزور ہوتا ہے مگر مل کر بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ تیسری ضرب المثل صبر و تحمل کی تلقین کرتی ہے کہ جلد بازی ہمیشہ نقصان دیتی ہے اور وقت پر کیا گیا صبر پھل لاتا ہے۔

چوتھی ضرب المثل کا ترجمہ و مفہوم یہ ہے کہ دولت و طاقت ہمیشہ نہیں رہتی، اس لیے انسان کو غرور نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وقت بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ پانچویں ضرب المثل علم کی فضیلت بیان کرتی ہے کہ علم ایسی دولت ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتی ہے اور چوری ہونے سے بھی محفوظ رہتی ہے۔ یہ پانچوں ضرب الامثال سندھی معاشرے کے

اخلاقی نظام کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان میں عمل کی جزا، اتحاد، صبر، عاجزی اور علم جیسی آفاقی اقدار مقامی زبان کے سادہ و دلنشین لہجے میں پیش کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضرب الامثال کو لوک ادب کی سب سے پائیدار صنف مانا جاتا ہے کیونکہ یہ کتابوں کے بغیر بھی نسلوں تک زندہ رہتی ہیں۔

ضرب الامثال کا ادبی مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ سندھی قوم کی دانائی فطرت کے مشاہدے سے جڑی ہوئی ہے۔ دریا کی لہریں، صحرا کی پیاس، مون سون کی بارش اور کھیت کی فصل ان ضرب الامثال کی علامتیں ہیں۔ جب سندھی کسان کہتا ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں فصل کے پکنے کا پورا موسم ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ضرب الامثال محض اخلاقی نصیحتیں نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب کے تجربے کا نچوڑ ہیں۔ طالب علم کے لیے انہیں یاد کرنا اور ان کا درست موقع پر استعمال کرنا سندھی زبان پر عبور کی علامت ہے۔

ایک اور پہلو یہ ہے کہ ضرب المثل سیکھنے سے طالب علم سندھی زبان کے مزاج کو بھی سمجھتا ہے۔ ہر زبان کی ضرب الامثال اس کے بولنے والوں کے مشاہدے، موسم، پیشے اور مزاح کی حس کو ظاہر کرتی ہیں۔ سندھی ضرب الامثال میں طنز کی نرمی، حالات پر تبصرے کی لطافت اور انسان دوستی کی گرمی ایک ساتھ ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھی محفل میں ضرب المثل کا برمحل استعمال کرنے والے کو زبان کا ماہر سمجھا جاتا ہے اور یہ ضرب الامثال آج بھی گفتگو کی زینت ہیں۔ اسی طرح کتابوں کے مصنفین کی شناخت بھی اسی لسانی شعور کا حصہ ہے کیونکہ کتابیات سے واقفیت ادب کے مطالعے کو سمت دیتی ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سندھی کتابیات میں کلاسیکی دینی کتب سے لے کر جدید تنقیدی تصانیف تک کا طویل سلسلہ موجود ہے جس میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی جیسے علما اور مرزا قلیچ بیگ جیسے جدید مصنفین نے بنیادی کردار ادا کیا۔ سندھی ضرب الامثال اس قوم کی اجتماعی دانائی کا خزانہ ہیں جن میں اخلاقی اقدار مقامی ماحول کی علامتوں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ دونوں حصوں کا مطالعہ سندھی ادب کی وسعت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

سوال نمبر3: سید ثابت علی شاہ، خلیفہ نبی بخش لغاری، مخدوم عبدالرحیم گروہڑی اور مخدوم ابوالحسن پر نوٹ(20نمبر)

سوال نمبر3۔ درج ذیل شعرا پر نوٹ لکھیں۔(20) سید ثابت علی شاہ، خلیفہ نبی بخش لغاری، مخدوم عبدالرحیم گروہڑی، مخدوم ابوالحسن

تعارف

سندھی شاعری کی تاریخ چند بڑے ناموں کے ساتھ ساتھ ان شعرا کی خدمات سے بھی عبارت ہے جنہوں نے اپنے اپنے حلقے میں زبان و ادب کی شمع روشن رکھی۔ اس سوال میں چار ایسے ہی شعرا پر نوٹ لکھنے کو کہا گیا ہے: سید ثابت علی شاہ، خلیفہ نبی بخش لغاری، مخدوم عبدالرحیم گروہڑی اور مخدوم ابوالحسن۔ ان میں سے ہر ایک کی پہچان الگ ہے: کوئی مرثیہ نگاری کے لیے مشہور ہے، کوئی صوفیانہ شاعری کے لیے، کوئی کلاسیکی نثر و نظم کے سنگم پر کھڑا ہے۔ ذیل میں ان پر الگ الگ مختصر نوٹ پیش کیے جاتے ہیں۔

سید ثابت علی شاہ

سید ثابت علی شاہ سندھی مرثیہ نگاری کے سب سے بڑے نام ہیں۔ انہوں نے سندھی میں مرثیے کو وہ فنی مقام عطا کیا جو اردو میں میر انیس کے مرثیوں کو حاصل ہے۔ ان کے مرثیوں میں واقعۂ کربلا کی منظر کشی، کرداروں کے جذبات کی ترجمانی اور زبان کی فصاحت و بلاغت بے مثال ہے۔ ثابت علی شاہ نے مرثیے کے لیے باقاعدہ بحریں اور بند کی صورتیں اختیار کیں اور سندھی مرثیے کو محض مذہبی رسم سے بڑھا کر ادبی صنف بنا دیا۔ سیہون و ہالا سمیت سندھ بھر میں ان کے مرثیے آج بھی محرم کی مجالس میں پڑھے جاتے ہیں۔

ثابت علی شاہ کی اہمیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے سندھی شاعری کو کلاسیکی موضوعات و اسالیب سے روشناس کرایا۔ ان کے کلام میں عربی و فارسی الفاظ کا استعمال فنی پختگی کے ساتھ ہوا ہے مگر وہ سندھی لہجے کی مٹھاس کو قائم رکھتے ہیں۔ ناقدین انہیں سندھی کے کلاسیکی شعرا کی صف میں بلند مقام دیتے ہیں۔ ان کے دیوان و مرثیوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور اہلِ سندھ کے لیے وہ مذہبی عقیدت کے ساتھ ساتھ ادبی فخر کا ذریعہ بھی ہیں۔

یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ ثابت علی شاہ کے مرثیے سندھ میں اہلِ بیت سے محبت کے اظہار کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ سندھی زبان کے کلاسیکی ذخیرۂ الفاظ کو محفوظ رکھنے کا وسیلہ بھی بنے۔ ان کے مرثیوں کی مقبولیت نے کئی دوسرے شعرا کو اس صنف کی طرف راغب کیا اور یوں سندھی میں مرثیہ نگاری کی ایک پوری روایت قائم ہو گئی جس کا اثر آج کے سندھی مذہبی ادب میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

خلیفہ نبی بخش لغاری

خلیفہ نبی بخش لغاری، جو "نبی بخش" اور علاقائی نسبت سے مشہور ہوئے، سندھی صوفی و عوامی شاعری کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کا تعلق لغاری قبائلی و روحانی ماحول سے تھا اور ان کے کلام میں تصوف، اخلاق اور عوامی زندگی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ انہوں نے بیت و کافی کی اصناف میں طبع آزمائی کی اور عام آدمی کی زبان میں گہرے روحانی مفاہیم پیش کیے۔ ان کی شاعری میں عشقِ الٰہی کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاح کا پہلو بھی نمایاں ہے، کیونکہ وہ بدعات اور رسومات پر تنقید بھی کرتے تھے۔

خلیفہ نبی بخش کا کلام زبانی روایت اور مطبوعہ مجموعوں دونوں صورتوں میں محفوظ رہا۔ ان کی شاعری کا لہجہ درد سے لبریز مگر پُرسکون ہے۔ سندھی صوفی روایت میں ان کا مقام اس لیے اہم ہے کہ انہوں نے شاہ لطیف کے بعد کی نسل میں صوفیانہ شاعری کی روایت کو زندہ رکھا اور اسے عوامی سطح تک پہنچایا۔ ان کے کلام کے مطالعے سے طالب علم کو سندھی شاعری کے اس دھارے کا اندازہ ہوتا ہے جو خانقاہ و گاؤں کی زندگی سے جڑا ہوا تھا۔

مخدوم عبدالرحیم گروہڑی

مخدوم عبدالرحیم گروہڑی سندھ کے معروف صوفی شاعر و بزرگ تھے جن کا تعلق گروہڑ کے روحانی مرکز سے تھا۔ وہ اٹھارویں صدی کے اہم سندھی شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے کلام کا مرکز تصوف ہے، خصوصاً توحید، عشقِ رسول ﷺ اور سالک کی روحانی تربیت ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ گروہڑی کی شاعری میں سادگی کے ساتھ ساتھ گہرا وجدان پایا جاتا ہے اور ان کے بیت سندھ بھر میں صوفی محفلوں میں گائے جاتے رہے ہیں۔ وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ہم عصر بزرگوں کے حلقے سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں اور اس نسبت سے ان کا کلام سندھی صوفی شاعری کے عروج کے دور کی عکاسی کرتا ہے۔

مخدوم عبدالرحیم گروہڑی کی خدمات صرف شاعری تک محدود نہیں، انہوں نے اپنے مریدوں و طالبوں کی تربیت کے ذریعے بھی سندھی معاشرے میں دینی و اخلاقی اقدار کو فروغ دیا۔ ان کا مزار درگاہ آج بھی عقیدت کا مرکز ہے۔ ادبی مورخین ان کے کلام کو سندھی کلاسیکی شاعری کے مطالعے میں اس لیے اہم سمجھتے ہیں کہ اس میں سندھی زبان کی وہ صورت محفوظ ہے جو علاقائی لہجوں کے امتزاج سے بنی تھی۔

مخدوم ابوالحسن

مخدوم ابوالحسن، جنہیں "مخدوم ابوالحسن داہری" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، سندھی نثر کے اولین و اہم ترین ناموں میں سے ایک ہیں۔ انہیں سندھی کی قدیم باقاعدہ نثر کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی مشہور تصنیف دینی مسائل پر مشتمل وہ مقدمہ ورسائل ہیں جن میں فقہی و اخلاقی موضوعات کو سندھی زبان میں بیان کیا گیا۔ اس سے پہلے سندھی میں دینی تعلیم زیادہ تر عربی و فارسی کے واسطے سے دی جاتی تھی؛ مخدوم ابوالحسن نے سندھی کو علمی اظہار کا ذریعہ بنا کر زبان کی تاریخ میں انقلاب برپا کیا۔

مخدوم ابوالحسن کی نثر سادہ، واضح اور دلیل پر مبنی ہے۔ انہوں نے سندھی نثر، یعنی نثر، کو وہ بنیاد فراہم کی جس پر بعد میں مرزا قلیچ بیگ اور دیگر مصنفین نے عمارت کھڑی کی۔ شاعری کے سوال میں ان کا ذکر اس لیے بھی آتا ہے کہ ان کا کلام و تحریریں منظوم و منثور دونوں صورتوں میں سندھی ادب کا سرمایہ ہیں۔ ناقدین انہیں سندھی ادب کے ان ستونوں میں شمار کرتے ہیں جن کے بغیر سندھی نثر کی تاریخ کا تصور ممکن نہیں۔ ان کی خدمات کا اعتراف آج سندھ کے نصاب و تحقیق دونوں میں کیا جاتا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سید ثابت علی شاہ نے سندھی مرثیے کو فنی عروج دیا، خلیفہ نبی بخش لغاری نے صوفی و عوامی شاعری کی روایت کو آگے بڑھایا، مخدوم عبدالرحیم گروہڑی نے کلاسیکی صوفی کلام کو روحانی گہرائی بخشی اور مخدوم ابوالحسن نے سندھی نثر کی بنیاد رکھ کر زبان کو علمی مقام دیا۔ چاروں شخصیات مل کر سندھی ادب کے ان متنوع دھاروں کی نمائندگی کرتی ہیں جن سے سندھی کلاسیکی ادب کی مکمل تصویر بنتی ہے۔

سوال نمبر 4: سندھی لوک ادب پر تفصیلی مضمون (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ سندھی لوک ادب کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔ (20)

تعارف

ہر قوم کا لوک ادب اس کی اجتماعی روح کا اظہار ہوتا ہے۔ سندھی لوک ادب بھی اس رجحان سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ وہ ادب ہے جو کتابوں سے پہلے دلوں میں آباد تھا، جو کسان نے کھیت میں، ملاح نے کشتی میں، ماں نے جھولے کے پاس اور داستان گو نے چوپال میں تخلیق کیا۔ سندھی لوک ادب میں داستانیں، گیت، ضرب الامثال، پہیلیاں، حکایات اور لوک کہانیوں کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ اس مضمون میں سندھی لوک ادب کی تعریف و تاریخ، اس کی اہم اصناف، مشہور داستانوں، لوک گیتوں کی صورتوں اور اس کی تہذیبی و ادبی اہمیت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

لوک ادب کی تعریف اور سندھی لوک ادب کی تاریخ

لوک ادب سے مراد وہ ادب ہے جس کا کوئی ایک مصنف نہ ہو بلکہ پوری قوم اس کی خالق و امین ہو۔ یہ ادب زبانی روایت سے نسل در نسل منتقل ہوتا ہے اور ہر نسل اس میں اپنے تجربے کی معمولی ترمیم و اضافہ کرتی رہتی ہے۔ سندھی لوک ادب کی جڑیں وادیِ سندھ کی قدیم تہذیب تک جاتی ہیں۔ موہن جو دڑو کی مہروں اور مورتیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطے میں موسیقی، رقص و قصہ گوئی کی روایت ہزاروں سال پرانی ہے۔ اسلامی دور میں یہ ذخیرہ صوفی بزرگوں کی بدولت مزید مالا مال ہوا جنہوں نے لوک داستانوں کو روحانی تعلیم کا ذریعہ بنا لیا۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اسی لوک ذخیرے کو اپنے رسالے کی بنیاد بنا کر اسے عالمی ادب کے درجے تک پہنچا دیا۔

تاریخی طور پر سندھی لوک ادب تین ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے: داستان گووں و بھٹ فقیران کی زبانی روایت، صوفی شعرا کے کلام میں شامل داستانی اشارے اور انگریز دور کے بعد محققین کی جمع کردہ کتابیں۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ جیسے محققین نے سندھ کے گاؤں گاؤں گھوم کر لوک داستانیں، گیت و ضرب الامثال جمع کیں اور درجنوں جلدوں میں

شائع کیں۔ سندھ کے لوک ورثے کے تحفظ کے لیے قائم اداروں نے بھی اس میدان میں گراں قدر کام کیا ہے۔ ان کوششوں کی وجہ سے سندھی لوک ادب آج دنیا کے مالا مال ترین لوک ذخائر میں شمار ہوتا ہے۔

لوک داستانیں: سندھی لوک ادب کا دل

سندھی لوک ادب کی سب سے دلکش صنف اس کی عشقیہ و اخلاقی داستانیں ہیں، جنہیں عام طور پر "ست سورمیون" یعنی شاہ لطیف کی سات ہیروئنوں سے جوڑا جاتا ہے۔ سسی پُنوں میں وفاداری و ایثار کا سبق ہے، عمر ماروی میں وطن کی محبت و سادگی کی عظمت بیان ہوئی ہے، سوہنی مہینوال میں محبت و آزمائش کا قصہ ہے، سورٹھ رائے ڈیاچ میں سر دینے و وعدہ نبھانے کا درس ہے، نوری جام تماچی میں عاجزی و محبت کی جیت کا بیان ہے، لیلیٰ مجنوں میں دیوانگی و عشق کی انتہا ہے اور لیلاں چنیسر میں ندامت و وفا کا پیغام ہے۔ یہ داستانیں صرف عشقیہ قصے نہیں بلکہ سندھی معاشرے کے اخلاقی نظام کی دستاویز ہیں۔

ان داستانوں کے علاوہ دو دو چنیسر کی رزمیہ داستان، جھول جھلانی، ہوتل پریو اور کئی مقامی قصے بھی لوک ادب کا حصہ ہیں۔ ان داستانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے کردار بادشاہوں کے بجائے عام انسان ہیں: ماہی گیر، کسان، اونٹ بان اور گاؤں کی لڑکیاں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ان میں اپنی جھلک دیکھتے ہیں۔ شاہ لطیف نے ان داستانوں کو صوفیانہ مفاہیم دے کر انہیں ابدی بنا دیا، مثلاً سسی کا سفر سالک کے سفر کی علامت بن گیا اور مارئی کا وطن خدا کی طرف کشش کی تمثیل ٹھہرا۔ اس طرح سندھی لوک داستانیں بیک وقت تفریح، اخلاقی تربیت اور روحانی تعلیم کا ذریعہ بن گئیں۔

لوک گیت، ضرب الامثال اور دیگر اصناف

سندھی لوک گیتوں کی کئی صورتیں ہیں: شادی بیاہ کے "لاڈا" و سہرا گیت، ولادت کے گیت، ہولی و تیج کے موسمی گیت، ملاحوں کے "مورڑو" نما گیت اور محنت کے گیت جن میں چکی پیسنے، فصل کاٹنے و کشتی چلانے کی لے شامل رہتی ہے۔ ان گیتوں میں سندھی عورت کی زندگی، اس کی خوشیاں، دکھ اور امیدیں بڑی سچائی سے بیان ہوتی ہیں۔ لوک گیتوں کی لے و دھن سندھی موسیقی کی بنیاد ہیں اور "سر" کی روایت انہی سے نکلی ہے۔

ضرب الامثال کی حیثیت اس ذخیرے میں دانائی کے موتیوں کی سی ہے۔ سندھی ضرب الامثال میں زندگی کے ہر شعبے کی رہنمائی ملتی ہے۔ پہیلیاں بچوں و بڑوں کی ذہنی تربیت کا ذریعہ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ لوک حکایات، جانوروں کی اخلاقی کہانیاں، بڑوں کے قصے اور مقامی ولیوں و ہیروز کے ملفوظات بھی اس ادب کا حصہ ہیں۔ یہ تمام اصناف مل کر ایک ایسی تہذیبی فضا بناتی ہیں جس میں سندھی بچہ پیدا ہوتے ہی سانس لیتا ہے اور غیر محسوس طریقے سے اپنی قوم کی اقدار سیکھتا ہے۔

لوک ادب کی اہمیت اور عصر حاضر میں اس کا تحفظ

سندھی لوک ادب کی اہمیت کئی گنا ہے۔ یہ سندھی زبان کے قدیم الفاظ و محاوروں کا خزانہ ہے، قوم کی تاریخ و سماج کا غیر سرکاری ریکارڈ ہے اور کلاسیکی و جدید ادب کی بنیاد ہے۔ جدید سندھی شاعری و افسانے میں لوک لے و لوک کردار آج بھی نظر آتے ہیں اور شیخ ایاز جیسے بڑے شاعر نے لوک اسالیب سے استفادہ کیا ہے۔ دنیا بھر میں لوک ادب کو قوموں کی شناخت کا اثاثہ سمجھا جاتا ہے اور یونیسکو جیسے ادارے اس کے تحفظ پر زور دیتے ہیں۔

تاہم جدید دور میں زبانی روایت کمزور ہو رہی ہے۔ داستان گوؤں کی نسل ختم ہو رہی ہے، گاؤں کی چوپالیں آباد نہیں رہیں اور نوجوان نسل اسکرین کی دنیا میں گم ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوک ادب کو نصاب، میڈیا و ڈیجیٹل صورتوں میں محفوظ کیا جائے۔ سندھ میں لوک ورثے کے میلے، شاہ لطیف کے عرس کی محفلیں اور جامعات کی تحقیقی کاوشیں اس سمت میں خوش آئند ہیں۔ اگر یہ ذخیرہ محفوظ رہا تو آنے والی نسلیں بھی اپنی جڑوں سے جڑی رہیں گی، ورنہ زبان زندہ بھی رہی تو اس کی روح ماند پڑ جائے گی۔

نتیجہ و خلاصہ

نتیجہ یہ ہے کہ سندھی لوک ادب داستانوں، گیتوں، ضرب الامثال و حکایات کا وہ سمندر ہے جس میں سندھی قوم کی ہزاروں سال کی تہذیبی زندگی موجزن ہے۔ شاہ لطیف نے اسے کلاسیکی عظمت دی اور جدید محققین نے اسے محفوظ کیا۔ یہ ادب سندھ کی شناخت، اخلاقی تربیت اور ادبی تخلیق تینوں کا سرچشمہ ہے اور اس کا تحفظ قومی ذمے داری ہے۔

سوال نمبر 5: دوار کا پرشاد شرما کے مضمون "موہن جو دڑو" کا خلاصہ (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ دوار کا پرشاد شرما کے مضمون موہن جو دڑو کا خلاصہ تحریر کیجیے۔(20)

تعارف

دوار کا پرشاد شرما سندھی نثر کے ان مصنفین میں سے ہیں جنہوں نے علمی و تحقیقی موضوعات کو عام فہم و دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ ان کا مضمون "موہن جو دڑو" سندھی نثر کی نمائندہ تحریروں میں شمار ہوتا ہے جس میں انہوں نے دنیا کی قدیم ترین شہری تہذیب کے عظیم مرکز موہن جو دڑو کا تعارف، اس کی دریافت و کھدائی، شہر کی منصوبہ بندی، عمارتوں، معاشرتی زندگی اور اس تہذیب کے زوال کے اسباب کو بڑے سلیقے سے بیان کیا ہے۔ اس جواب میں مضمون کا جامع خلاصہ پیش کیا جائے گا تاکہ طالب علم مصنف کے بیان کردہ تمام اہم نکات سے آگاہ ہو سکے۔

دریافت اور کھدائی

مضمون کے آغاز میں مصنف بتاتے ہیں کہ موہن جو دڑو، جس کے معنی "مردوں کا ٹیلہ" ہے، سندھ کے ضلع لاڑکانہ میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے واقع ہے۔ یہ کھنڈرات صدیوں تک مٹی کے ٹیلوں کی صورت میں پڑے رہے اور لوگوں کو اندازہ نہ تھا کہ ان کے نیچے ایک عظیم شہر دفن ہے۔ 1922ء میں ہندوستانی محکمۂ آثارِ قدیمہ کے افسر راکھال داس بینرجی نے یہاں بودھ استوپے کی تلاش میں کھدائی شروع کی تو پرانی تہذیب کے آثار ملنے لگے۔ پھر سر جان مارشل کی نگرانی میں وسیع پیمانے پر کھدائی ہوئی اور دنیا کے سامنے ایک ایسی شہری تہذیب آئی جو مصر و عراق کی ہم عصر تہذیبوں کے برابر بلکہ شہری منصوبہ بندی میں ان سے آگے تھی۔

مصنف اس امر پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ کھدائی سے معلوم ہوا کہ شہر سیلابوں کی وجہ سے بار بار اجڑتا اور آباد ہوتا رہا۔ ماہرین نے اس کی سات تہیں دریافت کی ہیں جن سے ہر دور کی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شہر دو حصوں میں بٹا ہوا تھا: مغربی اونچے ٹیلے پر قلعہ نما حصہ جس میں اہم سرکاری و مذہبی عمارتیں تھیں اور مشرقی وسیع حصے میں عام آبادی کا شہر تھا۔ یہ تقسیم اس بات کی دلیل ہے کہ اس تہذیب میں انتظامی نظم موجود تھا اور شہر کو سوچ سمجھ کر بسایا گیا تھا، محض اتفاق سے یہ عمارتیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔

شہر کی منصوبہ بندی اور عمارتیں

مضمون کا دلکش حصہ شہر کی منصوبہ بندی کا بیان ہے۔ مصنف لکھتے ہیں کہ موہن جو دڑو کی گلیاں سیدھی اور کشادہ تھیں جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کو جاتی تھیں اور ایک دوسرے کو نوے درجے کے زاویے پر کاٹتی تھیں۔ بڑی سڑکوں کی چوڑائی اتنی تھی کہ دو بیل گاڑیاں آسانی سے گزر سکیں۔ مکانات پکی اینٹوں سے بنے تھے، جن کا معیاری تناسب آج کے ماہرین کو بھی حیران کرتا ہے۔ ہر گھر میں صحن، کمرے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور کنواں موجود تھا اور کئی مکانات دو منزلہ تھے جن کی سیڑھیوں کے آثار ملے ہیں۔

عمارتوں میں سب سے مشہور عظیم حمام ہے جسے "گریٹ باتھ" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑا تالاب نما غسل خانہ تھا جس کی اینٹوں پر ایسی تہ لپٹی گئی تھی کہ پانی رس نہ سکے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اسے مذہبی رسومات کے لیے استعمال کیا جاتا ہو گا۔ اس کے علاوہ وسیع اناج گھر (گریزی) کی بنیادیں ملی ہیں جہاں اناج ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ نکاسیِ آب کا نظام اس شہر کی سب سے حیران کن خوبی ہے: گھروں کے گندے پانی کے لیے اینٹوں والی ڈھکی ہوئی نالیاں گلیوں میں بنی تھیں اور جگہ جگہ صفائی کے لیے چیمبر بنے تھے۔ دنیا کے کسی اور قدیم شہر میں اس درجے کی شہری صفائی کا انتظام نہیں ملتا۔

معاشرت، مذہب، فن اور زوال

مضمون کے اگلے حصے میں مصنف موہن جو دڑو کے باشندوں کی زندگی کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ مہروں، برتنوں، اوزاروں، زیورات و کھلونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ زراعت، تجارت و دستکاری میں ماہر تھے۔ گیہوں، جو و کپاس کی کاشت ہوتی تھی اور تاجر عراق تک تجارت کرتے تھے۔ مہروں پر بنے ہوئے جانوروں کی شکلیں و ایک

"پجاری بادشاہ" کی مورتی اور رقص کرنے والی لڑکی (ڈانسنگ گرل) کا کانسی کا مجسمہ اس تہذیب کے فن کا شاہکار ہے۔ مذہبی زندگی کے بارے میں اندازہ مہروں پر بنی دیوتاؤں جیسی شکلوں و درختوں و جانوروں کی پرستش کے آثار سے ہوتا ہے، اگرچہ ان کی تحریر ابھی تک پڑھی نہیں جا سکی جو اس تہذیب کا سب سے بڑا راز ہے۔

زوال کے بارے میں مصنف مختلف نظریات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ بعض ماہرین دریائے سندھ کے سیلابوں کو، بعض دریا کے رخ بدل جانے کو اور بعض بیرونی حملوں و ماحولیاتی تبدیلیوں کو اس عظیم شہر کی تباہی کا سبب قرار دیتے ہیں۔ مصنف کا اپنا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی آفات، خصوصاً بار بار کے سیلابوں و پانی کی کمی، نے آہستہ آہستہ اس شہر کو اجاڑ دیا۔ آخر میں مصنف اس افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ اتنی عظیم تہذیب کے دریافت ہونے کے باوجود ہم نے اپنے ورثے کی قدر نہیں کی اور موہن جو دڑو کو عالمی ورثے کی فہرست میں شامل کیے جانے کے باوجود اس کا تحفظ آج بھی ایک چیلنج ہے۔

مضمون کی خصوصیات اور اہمیت

دوارکا پرشاد شرما کے مضمون کی سب سے بڑی خوبی اس کا سادہ و عام فہم اسلوب ہے۔ انہوں نے آثارِ قدیمہ جیسے تکنیکی موضوع کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عام قاری بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا ہے۔ دوسری خوبی معلومات کی جامعیت ہے: کھدائی، منصوبہ بندی، عمارتیں، معاشرت، فن اور زوال، ہر پہلو کو مناسب تفصیل ملی ہے۔ تیسری خوبی قومی فخر کا جذبہ ہے جو قاری کو اپنے ماضی سے جوڑتا ہے اور اسے یقین دلاتا ہے کہ سندھ کی سرزمین دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کی آماجگاہ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مضمون نصاب میں شامل ہو کر نسل در نسل طلبہ کو اپنے ورثے سے آگاہ کر رہا ہے۔

نتیجہ و خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ دوارکا پرشاد شرما کا مضمون "موہن جو دڑو" وادیِ سندھ کی تہذیب کی عظیم داستان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ تقریباً ساڑھے چار ہزار سال پہلے سندھ کی سرزمین پر ایک منصوبہ بند، صاف ستھرا و خوش حال شہر آباد تھا جس کی گلیاں، نالیاں، حمام و اناج گھر آج کے شہروں کو بھی شرماتے ہیں۔ مضمون ہمیں سکھاتا ہے کہ قومیں اپنے ماضی کو جانے بغیر مستقبل نہیں بنا سکتیں اور اپنے تاریخی ورثے کی حفاظت ہر نسل کی ذمے داری ہے۔